تدبرِ قرآن

۶۶

التحریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلّق

سابق سورہ کی تفسیر میں ہم یہ اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں —— الطلاق اور التحریم —— علی الترتیب یہ تعلیم دے رہی ہیں کہ نفرت اور محبت دونوں طرح کے حالات کے اندر اللہ تعالیٰ کے حدود کی پابندی واجب ہے۔ چنانچہ سابق سورہ میں بتایا کہ نفرت کے اندر کس طرح حدودِ الٰہی کا احترام قائم رکھا جائے۔ اب اس سورہ میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ محبت کے اندر کس طرح اللہ کے حدود کی حفاظت کی جائے۔

نفرت کی طرح محبّت کا جذبہ بھی انسان پر غالب ہو جائے تو اس کو بالکل یک رُخا بنا کے رکھ دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کے ساتھ، حدودِ الٰہی کے معاملے میں، نہایت بے حس اور مداہنت کرنے والا بن جاتا ہے جن سے اس کو محبت ہوتی ہے۔ بیوی بچوں کو وہ علانیہ دیکھتا ہے کہ ان کا رویہ شریعت سے ہٹا ہوا ہے لیکن یا تو اس کو ان کے انحراف کا احساس ہی نہیں ہوتا یا ہوتا ہے تو وہ یہ فرض کر کے نظر انداز کر جاتا ہے کہ آہستہ آہستہ خود بخود ان کی اصلاح ہو جائے گی۔ حد یہ ہے کہ بہت سے لوگ اپنے متعلقین کی کھلی ہوئی زیادتیوں پر بھی، ان کو ٹوکنے یا روکنے کے بجائے یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لیے کوئی عذر تلاش کریں۔ یہ کمزوری صرف عام لوگوں ہی کے اندر نہیں بلکہ ان لوگوں کے اندر بھی پائی جاتی ہے جو دوسروں کی اصلاح کے لیے خدائی فوجدار بنے پھرتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس طرح کے لوگوں پر یہ حقیقت واضح نہیں ہوئی کہ کسی کے ساتھ محبت کا صحیح تقاضا یہ نہیں ہے کہ اس کو اپنی مداہنت سے خدا کے غضب کے حوالہ کیا جائے بلکہ اس کا صحیح تقاضا یہ ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو اس کو خدا کی پکڑ سے بچایا جائے اگرچہ اس مقصد کی خاطر کچھ ناگواریاں بھی گوارا کرنی پڑیں۔ وہ شخص جو اپنے بیوی بچوں اور دوستوں کی خلافِ شریعت باتوں سے چشم پوشی کرتا ہے وہ درحقیقت ان سے محبت نہیں کرتا ہے بلکہ ان کو نہایت بے دردی کے ساتھ خدا کے غضب کے حوالے کر رہا ہے لیکن اس کو اپنے اس فعل کے نتائج کا شعور نہیں ہے۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱-۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایسے فعل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے احتساب جو اگرچہ صادر

ہوا تو کمزوروں پر رافت اور بیویوں کی دلداری کے جذبہ سے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر گرفت فرمائی کہ اللہ کا رسول تمام امت کے لیے نمونہ ہوتا ہے۔ اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ معاملے میں بھی کوئی ایسی بات کرے جو اللہ کے حدود کے خلاف ہو، اگرچہ اس کا محرک نیک ہی ہو۔

اسی طرح ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) کی ایک بات پر گرفت فرمائی گئی جو ہرچند صادر ہوئی باہمی حسن ظن و اعتماد کی بنا پر لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی احتساب فرمایا کہ ازواج نبی (رضی اللہ عنہم) تمام امت کی خواتین کے لیے نمونہ ہیں۔ دوسروں کی نسبت وہ اس بات کی زیادہ ذمہ دار ہیں کہ ان سے کوئی ایسی بات صادر نہ ہو جو شریعت کے حدود سے ہٹی ہوئی ہو اگرچہ اس کا سبب باہمی اعتماد و حسن ظن ہی ہو۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ کہ اللہ کے ہاں مسئولیت درجہ و مرتبہ کے اعتبار سے ہے جن کے درجے جتنے ہی اونچے ہیں ان کی مسئولیت اتنی ہی زیادہ ہے۔

(۶-۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجؓ کے احتساب کے بعد عام مسلمانوں کو یہ موعظت کہ آخرت کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنا اور اپنے متعلقین کا برابر احتساب کرتے رہو اور اس بات کو یاد رکھو کہ اللہ نے دوزخ پر جو فرشتے مامور کیے ہیں وہ نہایت سخت گیر ہیں۔ کسی کے ساتھ بھی وہ کوئی نرمی یا مداہنت کرنے والے نہیں ہیں۔ اس دن کسی کا بھی کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔ ہر ایک کو صاف جواب ملے گا کہ آج ہر ایک کے سامنے اس کا عمل ہی آرہا ہے، کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو رہی ہے۔ اس دن فائز المرام صرف وہ ہوں گے جو مخلصانہ توبہ کے ذریعے سے اپنے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حق دار بنا لیں گے۔ وہ دن پیغمبرؐ اور اس کے مخلص ساتھیوں کی سرفرازی کا دن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے نور کو کامل کرے گا۔ باقی سب محروم و نامراد ہوں گے۔

(۹-۱۲) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پرزور الفاظ میں تاکید کہ کفار و منافقین کو پوری سختی کے ساتھ جھنجھوڑ کر سنا دو کہ اگر انھوں نے اپنی روش نہ بدلی تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم ہی میں بنائیں گے اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے۔ آخر میں کفّار کے سامنے حضرت نوحؑ و حضرت لوطؑ کی بیویوں کی مثال اور مسلمانوں کے سامنے فرعون کی بیوی اور حضرت مریمؑ کی مثالیں پیش کر کے یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کام آنے والی چیز آدمی کا اپنا ایمان و عمل ہے۔ اگر یہ چیز موجود نہ ہو تو حضرت نوحؑ و حضرت لوطؑ جیسے جلیل القدر نبیوں کی بیویاں ہونا بھی کوئی نفع پہنچانے والی چیز نہیں ہے اور اگر یہ چیز موجود ہو تو فرعون کی بیوی ہو کر بھی ایک عورت آخرت کے بلند سے بلند درجات کی حق دار ہو سکتی ہے۔

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ (٦٦)

مَدَنِيَّةٌ ——— آیات : ١٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیات ١-٢

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ
اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١﴾ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ
اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿٢﴾ وَاِذْ اَسَرَّ
النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ
اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا
بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٣﴾
اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ
فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴿٤﴾ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا
خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ
سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ﴿٥﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ
وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ
غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا

يُؤْمَرُوْنَ ۝٦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٨ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٩ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ۭ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝١٠ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝١١ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝١٢

ع ۱ / ١٩ — وقف لازم — ع ۲ / ٢٠

ترجمہ آیات ١ - ١٢

اے نبی، تم اپنی بیویوں کی دل داری میں وہ چیز کیوں حرام ٹھہراتے ہو جو اللہ نے تمھارے لیے جائز کی ہے! اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اللہ نے

تمھاری خلافِ شرع قسموں کا توڑ دینا تم پر فرض کر دیا ہے اور اللہ ہی تمھارا مولیٰ و مرجع ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔ ۱-۲

اور جب کہ نبی نے اپنی ایک بیوی سے ایک راز کی بات کہی تو جب انھوں نے اس کی خبر کر دی اور اللہ نے اس سے پیغمبر کو آگاہ کر دیا تو پیغمبر نے کچھ بات جتا دی کچھ ٹال دی تو جب پیغمبر نے بیوی کو اس کی خبر کی تو وہ بولیں کہ آپ کو کس نے اس کی خبر دی؟ پیغمبر نے کہا، مجھے خدائے علیم و خبیر نے خبر دی۔ اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہی تمھارے لیے زیبا ہے تمھارے دل تو خدا کی طرف مائل ہی ہیں اور اگر تم اس کے خلاف ایکا کرو گی تو اس کا حامی اللہ ہے اور جبریل اور تمام نیکوکار مسلمان اور مزید برآں فرشتے بھی اس کے مددگار ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ تمھیں طلاق دے چھوڑے تو اس کا پروردگار تمھارے بدلے میں تم سے بہتر بیویاں اس کو دے دے۔ اطاعت شعار، مومنہ، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، ریاض کرنے والیاں، شوہر آشنا اور کنواریاں۔ ۳-۵

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ جس پر درشت مزاج اور سخت گیر ملائکہ مامور ہوں گے۔ اللہ ان کو جو حکم دے گا اس کی تعمیل میں وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گے اور وہ وہی کریں گے جس کا ان کو حکم ملے گا۔ اے لوگو، جنھوں نے کفر کیا، آج عذر نہ پیش کرو، تم وہی بدلے میں پا رہے ہو جو تم کرتے رہے ہو۔ ۶-۷

اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، اللہ کی طرف مخلصانہ رجوع کرو۔ امید ہے کہ

تمھارا پروردگار تمھارے اوپر سے تمھارے گناہ جھاڑ دے اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ جس دن کہ اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے، رسوا نہیں کرے گا۔ ان کی روشنی ان کے آگے اور ان کے دہنے چل رہی ہوگی۔ وہ دعا کر رہے ہوں گے: اے ہمارے پروردگار، ہمارے لیے روشنی کو کامل کر اور ہماری مغفرت فرما، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ۸

اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کر اور ان پر سخت ہو جا۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے! ۹

اللہ کافروں کے لیے مثال بیان کرتا ہے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی۔ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں تو انھوں نے ان کے ساتھ بے وفائی کی تو وہ اللہ سے ان کے کچھ کام آنے والے نہ بن سکے اور دونوں عورتوں کو حکم ہوا کہ جاؤ تم بھی دوزخ میں پڑنے والوں کے ساتھ دوزخ میں پڑو۔ ۱۰

اور اللہ ایمان والوں کے لیے مثال بیان کرتا ہے فرعون کی بیوی کی۔ جب کہ اس نے دعا کی: اے میرے رب! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھ کو نجات دے فرعون سے اور اس کے عمل سے اور مجھے نجات دے ظالموں کی قوم سے۔ اور مریم بنت عمران کی مثال بیان کرتا ہے جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی پس ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی۔ ۱۱-۱۲

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۱)

پیغمبرصلعم کے ایک فعل پر احتساب

اوپر ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ اس سورہ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جن کے ساتھ محبت و مروّت کے تعلقات ہوں خدا کے حدود و حقوق کے معاملات میں ان کے ساتھ بھی کوئی مداہنت و رعایت جائز نہیں ہے بلکہ اس محبت ہی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا احتساب زیادہ احتیاط کے ساتھ ہوتا رہے تاکہ خدا کے چھاج میں پھٹکے جانے سے پہلے ہی ممکن ہو تو ان کی اصلاح ہو جائے اور اگر اصلاح نہ ہو تو بدرجۂ ادنیٰ آدمی اپنے تو نصیحت سے عنداللہ بری الذمہ ہو جائے۔

اس حقیقت کو مبرہن کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں سب سے پہلے اپنے پیغمبرؐ ہی پر گرفت فرمائی کہ آپ نے اپنی ازواجِ مطہراتؓ کی دلداری کے خیال سے اپنے اوپر ایک ایسی چیز حرام کیوں کرلی جو اللہ نے آپ کے لیے جائز کی؟

غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے پیغمبرؐ اور ان کی ازواجؓ سے زیادہ کون محبوب ہو سکتا ہے لیکن اس کے باوجود آپ کی ایک معمولی سی فروگذاشت پر، جو خود قرآن کے بیان کے مطابق، ایک نہایت نیک محرک سے صادر ہوئی، آپ کو تنبیہ فرمائی گئی تاکہ ہر شخص کے سامنے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے کہ خدا کے حدود و قیود کی پابندی سے جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہراتؓ بھی بالا نہیں ہیں تو تا بہ دیگراں چہ رسد!

واقعہ کی نوعیت

رہا یہ سوال کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کی دلداری کے خیال سے اپنے اوپر کیا چیز حرام کرلی تھی تو اس کے جواب میں راویوں سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ازواجِ مطہراتؓ میں سے کسی کے پاس شہد نوش فرمایا جس کی بُو پر آپ کی بعض ازواجؓ نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ شہد کی بعض قسمیں ناگوار بُو کی ہوتی بھی ہیں اور نہ بھی ہوں تو جو لوگ زیادہ ذکی الحس ہوتے ہیں وہ ہر بُو کو پسند نہیں کرتے۔ خاص طور پر خواتین اس معاملے میں زیادہ شدید الاحساس ہوتی ہیں۔ وہ بسا اوقات اچھی بھلی اور اچھے خاصے ذائقہ کی چیزوں کو بھی پسند نہیں کرتیں۔ لوگوں کے مزاج مختلف ہوتے ہیں۔ امہات المومنینؓ میں سے بھی بعض کو وہ شہد پسند نہیں تھا جس میں مغافیر[1] کی بُو ہو۔ چنانچہ انھوں نے اپنی اس ناگواری کا اظہار حضورؐ کے سامنے فرمایا۔ حضورؐ چونکہ خود نہایت لطیف المذاق اور دوسروں،

---

[1] یہ ایک خاص بوٹی کا نام ہے جس سے شہد کی مکھیاں شہد لیتی ہیں لیکن بعض لوگوں کو اس کی بُو ناگوار ہوتی ہے۔

بالخصوص جنسِ ضعیف، کے جذبات و احساسات کا بڑا پاس و لحاظ رکھنے والے تھے، اس وجہ سے آپؐ نے عہد کر لیا کہ اب کبھی شہد نوش نہیں فرمائیں گے۔

عام حالات میں تو یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی بلکہ ایک نیک تحرک سے صادر ہونے کے سبب سے نہایت پسندیدہ بات تھی لیکن پیغمبر کا ہر قول و فعل دین میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا ہر عمل پوری امت کے لیے مثال و نمونہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ذاتی ذوق و رجحان اور اپنے محبوب سے محبوب لوگوں کی خاطر سے بھی کوئی ایسی بات کہے یا کرے جو بال برابر بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حدود سے متجاوز ہو، ورنہ پوری امت کے لیے ایک غلط مثال قائم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ یہود کے متعلق معلوم ہے کہ انھوں نے اپنے اوپر اونٹ کو صرف اس بنا پر حرام کر لیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کسی سبب سے اونٹ کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کے علم میں یہ بات آتی کہ حضورؐ نے شہد نہ کھانے کا عہد کر لیا تو کوئی متقی مسلمان مشکل ہی سے شہد کو ہاتھ لگاتا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ پر گرفت فرمائی اور فوراً اس کی اصلاح کے لیے ہدایت فرمائی۔

حضورؐ کے فعل کا محرک

'تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ' سے اس محرک کی طرف اشارہ ہے جو آپؐ کے اس اقدام کا باعث ہوا۔ اس محرک کا پتہ دینا اس لیے ضروری ہوا کہ اس سورہ کا مقصد ہی، جیسا کہ ہم نے تمہید میں بیان کیا، یہ تعلیم دینا ہے کہ جن کے ساتھ محبت کے تعلقات ہوں ان کے احتساب میں بھی آدمی کو مداہن نہیں ہونا چاہیے۔ نفرت کی طرح محبت بھی حدودِ الٰہی کے احترام سے آدمی کو غافل کر دیتی ہے۔ اس خطرے سے آگاہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ اور آپ کی ازواج پر گرفت فرمائی، جن سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں کوئی دوسرا محبوب نہیں ہو سکتا، تاکہ مسلمانوں کو اس سے یہ سبق حاصل ہو کہ دین کے معاملے میں کسی محبوب سے محبوب کے ساتھ بھی کوئی رعایت جائز نہیں ہے۔

غلطی پر گرفت کے ساتھ ہی معافی کا اعلان

'وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ'۔ حضورؐ کے اس فعل کا محرک چونکہ نہایت نیک تھا، آپ نے محض جذبۂ رافت و محبت کے تحت، خاص اپنی ذات کے لیے ایک فیصلہ فرمایا تھا، امت کے لیے کسی چیز کو حرام کرنا مقصود نہیں تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے گرفت کے ساتھ ہی اس فروگذاشت کی معافی کا اعلان بھی فرما دیا۔

یہاں اس امر پر نگاہ رہے کہ معافی کے اعلان میں نہایت مبادرت پائی جاتی ہے۔ یعنی اس طرح کے کسی اقدام کا شرعی حکم بیان کرنے سے پہلے ہی معافی کا اعلان فرما دیا گیا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہی ہو سکتی ہے کہ حضورؐ کے سامنے اپنے اس فعل کا وہ پہلو بالکل نہیں تھا جس پر گرفت فرمائی گئی بلکہ، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، آپ نے محض جذبۂ رافت کے تحت، جنسِ ضعیف کی دلداری کے لیے، اپنی ذات پر ایک پابندی عائد فرمائی تھی۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر گرفت تو فرمائی تاکہ اس سے وہ مفاسد نہ پیدا ہوں جن کے پیدا ہونے کا امکان تھا لیکن ساتھ ہی اس کی معافی کا اعلان بھی فرما دیا تاکہ یہ گرفت

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر گراں نہ گزرے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام سے صادر ہونے والی لغزشوں کی نوعیت

یہاں وہ بات یاد رکھیے جو اس کتاب میں ہم بار بار بیان کر چکے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے کوئی لغزش صادر ہوتی ہے تو وہ نفس کی پاسداری میں نہیں ہوتی بلکہ کسی خیر کی پاسداری میں وہ حدِ مطلوب سے متجاوز ہو جاتے ہیں۔ بیویوں کی دلداری کوئی بری بات نہیں ہے بلکہ یہ شرافت، مروّت، فتوّت کا تقاضا اور فطرت و شریعت کا مطالبہ ہے جس کی قرآن نے تاکید فرمائی ہے بشرطیکہ یہ شریعت کے حدود کے اندر رہے۔ اگر یہ اس سے متجاوز ہونے لگے تو یہ فتنہ بن جاتی ہے جس سے بچنا اور بچانا ضروری ہے لیکن جب کسی فروگزاشت کا محرک نیک ہو تو اس پر گرفت اس طرح ہونی چاہیے کہ عفو و درگزر اس کے ہم رکاب رہے۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (۲)

ناجائز قسم کے بارے میں شریعت کا حکم

یہ حکم بیان فرمایا ہے اس صورت کے لیے جب کوئی شخص اپنے اوپر کسی جائز چیز کو حرام کر لینے کی قسم کھا بیٹھے۔ اوپر کی آیت میں خطاب صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اس آیت میں عام مسلمانوں سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لغزش پر ٹوکنے سے اصل مقصود، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یہی تھا کہ اس کے سبب سے امت کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ چنانچہ اس آیت میں تمام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے اوپر کسی جائز چیز کو حرام کر لینے کی قسم کھا بیٹھے تو اللہ نے اس کے لیے یہ ضروری ٹھہرایا کہ وہ اس قسم کو توڑ ڈالے اور حرام کردہ چیز کو جائز کرے۔

'وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ' یہ وجہ بیان ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات کیوں ضروری ٹھہرائی ہے؟ فرمایا کہ اللہ ہی تمہارا آقا و مولیٰ ہے اس وجہ سے اسی کو حق حاصل ہے کہ وہ تمہیں بتائے کہ تمہارے لیے کیا حلال ہے اور کیا حرام؛ نہ کسی کو خود یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے جی سے کسی چیز کو حرام یا حلال ٹھہرائے اور نہ یہ جائز ہے کہ کسی دوسرے کے لیے وہ تحریم و تحلیل کا حق تسلیم کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے حق میں مداخلت کرے گا جو شرک ہے۔

'وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ' یہ اسی حقیقت کی مزید وضاحت ہے کہ حقیقی علیم و حکیم اللہ تعالیٰ ہی ہے اس وجہ سے اس نے بندوں کو جو حکم دیا ہے یا جس چیز سے روکا ہے وہ تمام تر علم و حکمت پر مبنی ہے۔ کسی دوسرے کو خدا سے زیادہ علیم و حکیم ہونے کے خبط میں نہیں مبتلا ہونا چاہیے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ قسم توڑ دینے کا حکم تو دیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ کسی کفارہ کا ذکر نہیں ہے تو کیا اس صورت میں کوئی کفارہ عائد نہیں ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قسم توڑنے پر کفارہ کا حکم المائدۃ کی آیت ۸۹ میں بیان ہو چکا ہے اس وجہ سے اس کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں تھی البتہ یہاں تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ کے الفاظ سے یہ بات واضح طور پر نکلتی ہے کہ اگر کسی نے قسم کھا کر

کوئی چیز حرام ٹھہرائی ہو تب تو کفارہ ضروری ہوگا۔ لیکن قسم نہ کھائی ہو تو کفارہ ضروری نہیں ہے۔

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ﴿٣﴾

ازواجِ نبی کے احتساب کی ایک مثال

اوپر کی آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احتساب تھا۔ اس آیت میں ازواجِ نبی میں سے ایک بیوی کی فروگذاشت پر گرفت فرمائی کہ انھوں نے حضورؐ کی کوئی بات، جو آپ نے بطورِ راز ان سے فرمائی، کسی دوسری بیوی پر ظاہر کردی۔ پھر جب حضورؐ نے ان کی اس غلطی پر ٹوکا تو اس پر نادم ہونے کے بجائے انھوں نے اس ٹوکنے کو اپنی خودداری کے خلاف محسوس کیا اور جن بیوی پر راز ظاہر کیا گیا تھا انھوں نے بھی اس کو ناگوار جانا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بیویوں کو تنبیہ فرمائی تاکہ ہر شخص پر یہ واضح ہو جائے کہ دین کے معاملے میں ازواجِ نبی (رضی اللہ عنہم) بھی احتساب سے بالاتر نہیں ہیں۔

واقعہ کی نوعیت

'وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا'۔ مفسرین نے عام طور پر اس واقعہ کو اوپر والے واقعہ ہی سے جوڑ کر ایک ناگوار داستان کی شکل دے دی ہے لیکن عربیت کے لحاظ سے یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ واقعہ اوپر کے واقعہ ہی کا ایک حصہ ہو بلکہ اقرب یہ ہے کہ یہ ایک دوسری بات کا حوالہ ہو جس کا صدور ازواجِ نبی (رضی اللہ عنہم) میں سے کسی سے ہوا جس پر اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی۔ زبان کا یہ نکتہ یاد رکھیے کہ 'وَإِذْ' سے بالعموم کسی دوسرے مستقل واقعہ ہی کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

یہاں قرآن نے اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی ہے کہ حضورؐ نے کیا راز کی بات کہی اور کس بیوی سے کہی بلکہ اس کو پردے ہی میں رکھا ہے اس وجہ سے ہم اس راز کے درپے ہونا جائز نہیں سمجھتے۔ حضورؐ کی ازواجؓ ہمارے لیے ماؤں کی منزلت میں ہیں۔ بیٹوں کے لیے یہ بات کسی طرح پسندیدہ نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی ماؤں اور باپوں کے درمیان کے رازوں کے کھوج میں لگیں۔ بالخصوص جب کہ اس راز کے انکشاف سے اس آیت کے فہم میں کوئی مدد بھی نہ مل رہی ہو۔ یہاں راز کے افشا ہی پر تنبیہ فرمائی گئی ہے تو اگر ہم اس کے درپے ہوں گے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ جس چیز سے روکا گیا ہے ہم نے اس کا ارتکاب کیا البتہ اتنی بات اس آیت سے صاف واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کو اپنا محرمِ راز بناتے تھے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو ان کی رازداری اور ان کی فہم و بصیرت پر پورا اعتماد تھا۔

ازدواجی تعلقات کے حسن کا انحصار باہمی اعتماد پر ہے

میاں بیوی کے تعلقات کا سارا حسن و جمال اسی اعتماد میں ہے۔ اگر باہم یہ اعتماد نہ ہو کہ ایک دوسرے کو محرمِ راز بنا سکیں تو یہ اعلیٰ انسانی اقدار سے بالکل خالی زندگی ہوگی۔

'فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ'۔ یہاں اتنی بات بربنائے قرینہ محذوف ہے کہ حضورؐ نے جن بیوی کو محرمِ راز بنایا انھوں نے یہ راز کسی دوسری بیوی پر

ظاہر کر دیا۔ اگرچہ آیت میں جس طرح اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ کس بیوی سے یہ غلطی صادر ہوئی اسی طرح اس بات کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے کہ یہ افشائے راز کس بیوی پر ہوا لیکن اتنی بات واضح ہے کہ معاملہ ازواج مطہراتؓ کے درمیان ہی کا ہے، کسی غیر کے سامنے کوئی افشائے راز نہیں ہوا۔ مفسرین نے عام طور پر حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت حفصہؓ کے نام لیے ہیں۔ اگر اس قول پر اعتماد کیجیے تو اس سے یہ بات نہایت واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ ان سیدات کے باہمی تعلقات ایسے خوش گوار تھے کہ آپس میں اہم رازوں کے معاملے میں بھی کوئی پردہ نہ تھا۔ اس سے ان روایات کی تردید ہوتی ہے جن میں غیر محتاط راویوں نے ان کی باہمی چشمک و رقابت کے واقعات بیان کیے ہیں۔

حدودِ الٰہی کے معاملہ میں کوئی بھی احتساب سے بالا نہیں ہے

اس افشائے راز سے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو باخبر کر دیا جس کے بعد حضورؐ نے ان بیوی کو اس کی طرف توجہ دلائی جن سے یہ غلطی صادر ہوئی۔ یہ توجہ دلانا اس لیے ضروری تھا کہ میاں بیوی کے تعلقات میں رازداری کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بیویوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے شوہروں کے رازوں کی حفاظت کرنے والی بنیں۔ قرآن میں ان کی خاص صفت 'حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ' (رازوں کی حفاظت کرنے والیاں) بیان ہوئی ہے۔ بیوی، شوہر کے رازوں کی قدرتی امین ہوتی ہے۔ اگر وہ اس میں خیانت کرے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس کے گھر میں اسی نے نقب لگائی جس کو اس نے گھر کا پاسبان بنایا۔ امانت کی یہ صفت یوں تو ہر بیوی میں ہونی ضروری ہے لیکن ذمہ داریاں علیٰ فرق مراتب ہوتی ہیں۔ ازواجِ نبی (رضی اللہ عنہم) پر یہ ذمہ داری دوسروں کی نسبت بدرجہا زیادہ تھی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ایما پر حضورؐ نے ان کو متنبہ فرمایا تاکہ یہ حقیقت کھل کر ہر شخص کے سامنے آجائے کہ حدودِ الٰہی کے معاملے میں کوئی بھی احتساب سے بالا نہیں ہے۔

ایک نہایت لطیف حقیقت

'عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ' کے الفاظ ایک نہایت ہی لطیف حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ وہ یہ کہ حضورؐ نے بیوی صاحبہ کا احتساب تو فرمایا کہ یہ دین کا تقاضا تھا لیکن اس طرح نہیں کہ ان کے لتّے لے ڈالے ہوں بلکہ کچھ بات ظاہر فرمائی اور کچھ نظر انداز فرما دی۔ یہ طریقہ حضورؐ نے اس وجہ سے اختیار فرمایا کہ بیوی صاحبہ کو تنبیہ تو ہو جائے لیکن یہ تنبیہ ان کے دل پر زیادہ شاق نہ گزرے۔ حضورؐ کے اندر اول تو رافت تھی ہی بہت، منافقین و مخالفین کی غلطیوں پر بھی آپ کبھی درشت الفاظ میں نہیں ٹوکتے تھے۔ ثانیاً یہ معاملہ ازواجِ مطہراتؓ کا تھا جن کی نسبت یہ گمان نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ان کی کوئی غلطی ارادی بدنیتی پر مبنی ہوگی۔ چنانچہ یہ غلطی بھی، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، کسی بدنیتی کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ محض اس وجہ سے صادر ہو گئی کہ بی بی صاحبہ نے خیال فرمایا کہ دوسری بیوی صاحبہ بھی جب شوہر کی محبوب و معتمد ہیں تو یہ بیچ کی بات ان کے سامنے ظاہر کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ یہ ازدیادِ محبت و اعتماد کا سبب ہوگی۔ یہ خیال نیک نیتی پر مبنی تھا۔ اس میں کسی قسم کے فسادِ نیت کو دخل نہیں تھا۔ لیکن ساتھ ہی

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایک اہم پہلو اس میں نظرانداز ہوگیا کہ یہ افشائے راز اس کردار کے منافی ہے جو بیویوں کے لیے اللہ اور رسول نے پسند فرمایا ہے اور جس کا ازواجِ نبی (رضی اللہ عنہم) کے اندر کمال درجہ پایا جانا اس وجہ سے ضروری تھا کہ وہ تمام امت کی خواتین کے لیے نمونہ ہیں۔ پھر معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا جو صرف ایک شوہر ہی نہیں بلکہ اللہ کے رسول بھی تھے۔ معاملہ کی اسی اہمیت کے سبب سے اس پر گرفت ہوئی لیکن اس طرح نہیں کہ کسی کا فضیحتا ہو بلکہ اشاروں کے انداز میں ہوئی اور یہی انداز ان حالات میں بابرکت ہے جب کہ غلطی کا صدور کسی برے ارادے سے نہ ہوا ہو۔

مفسرین کی بے احتیاطی

ہمارے مفسرین نے اس راز سے پردہ اٹھانے کی جو کاوش کی ہے ہم اس سے تعرض نہیں کرنا چاہتے۔ اس کی بنیاد اول تو ایسی روایات پر ہے جن میں نہایت واضح تضاد ہے۔ پھر یہ کاوش اس تعلیم کے بھی خلاف ہے جو اس آیت میں دی گئی ہے۔ جب خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو زیادہ کھولنے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ بات پسند فرمائی تو کسی دوسرے کے لیے یہ کس طرح جائز ہے کہ وہ اس کے بخیے ادھیڑنے بیٹھے بالخصوص جب کہ معاملہ اللہ کے رسول اور آپ کی ازواجِ مطہرات کے درمیان کا ہو۔

فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ جب حضورؐ نے یہ بات اشارۃً بیوی صاحبہ کو بتائی تو وہ فوراً بولیں کہ آپ کو اس کی خبر کس نے دی؟ یعنی اس کی صحت سے تو انھوں نے انکار نہیں کیا لیکن اپنی فروگزاشت کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے انھیں فکر یہ ہوئی کہ یہ بات حضورؐ کو بتائی کس نے؟ ان کا ذہن اسی طرف گیا ہوگا کہ جن بیوی کو انھوں نے رازدار بنایا تھا انہی نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دی ہے۔ اس طرف ذہن جانے کے لیے قرینہ موجود تھا کیونکہ ان کے سوا انھوں نے کسی اور پر یہ بات ظاہر نہیں کی تھی۔ ہوسکتا ہے انھیں کچھ غصہ بھی آیا ہو جیسا کہ ان کے اندازِ سوال (مَنْ اَنْۢبَاَكَ) سے اشارہ ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوا ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ کسی سے اپنے اعتماد کو ٹھیس پہنچے تو اس سے رنج ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ لیکن حضورؐ نے ان کی یہ غلط فہمی فوراً رفع فرما دی کہ یہ بات مجھے خدائے علیم وخبیر نے بتائی ہے، کسی دوسرے نے نہیں بتائی ہے۔ حضورؐ کی اس وضاحت سے بیوی صاحبہ کا سوءِ ظن دور ہوگیا ہوگا جس کا دور ہونا ضروری تھا۔ اسی مقصد سے حضورؐ نے یہ وضاحت بلاتاخیر ضروری سمجھی۔

اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ (۴)

یہ ان دونوں بیویوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ اگر تم اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہی بات تمھارے شایانِ شان ہے اس لیے کہ تمھارے دل تو اللہ کی طرف جھکے ہوئے ہی ہیں۔ اور اگر تم نے رسول کے خلاف

ایکا کیا تو یاد رکھو کہ رسول اپنی دل جمعی کے لیے تمہارا محتاج نہیں ہے بلکہ اس کی طمانیت کے لیے اللہ، جبریل اور مومنین صالحین کی معیت و رفاقت کافی ہے، مزید براں فرشتے بھی اس کے ساتھی اور مددگار ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فروگزاشت تو ایک بیوی صاحبہ سے ہوئی تھی تو یہاں خطاب دو سے کیوں ہوا اور دوسری بیوی صاحبہ سے کون سی غلطی صادر ہوئی تھی جس پر ان کو بھی توبہ کی ہدایت ہوئی، بظاہر تو وہ بالکل بے قصور نظر آتی ہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیوی صاحبہ پر ان کے افشائے راز کے سبب سے ناخوشی کا اظہار فرمایا تو دوسری بیوی صاحبہ کو یہ گمان گزرا ہو گا کہ شاید اس ناخوشی کا سبب یہ ہے کہ یہ افشائے راز ان کے سامنے کیوں ہوا؟ انھوں نے خیال فرمایا ہو گا کہ بات میرے ہی سامنے ظاہر کی گئی تھی، کسی غیر کے سامنے نہیں، تو آخر اس پر عتاب کی کیا وجہ ہوئی، اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ مجھے غیر خیال کیا گیا، اگرچہ ان کا یہ احساس بالکل غلط فہمی پر مبنی تھا لیکن جہاں محبت و اعتماد کے معاملے میں تنافس ہو وہاں اس طرح کی غلط فہمی کا پیدا ہو جانا کچھ بعید نہیں۔

بے جا خودداری کے اظہار پر گرفت

بہرحال ان دونوں ہی سیدات نے اس گرفت کو اپنی خودداری کے خلاف محسوس کیا اور یہ چیز اس شکل میں ظاہر ہوئی کہ یہ دونوں ہی بیویاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ روٹھ سی گئیں۔ عام حالات میں یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ میاں بیوی میں اس طرح کی باتیں آئے دن ہوتی ہی رہتی ہیں لیکن معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہراتؓ کا تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر سختی سے گرفت فرمائی تاکہ ازواجِ نبی پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے کہ دین کے معاملے میں کسی کو بھی بے جا خودداری کے اظہار کا حق نہیں ہے۔ ان سے فروگزاشت ہوئی ہے تو دوسروں سے زیادہ وہ سزاوار ہیں کہ اپنے رویے کی اصلاح کریں۔ یہی بات ان کے شایانِ شان اور ان کے ایمان و انابت کا مقتضیٰ ہے۔ اور اگر انھوں نے ضد سے کام لیا اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف ایکا کیا تو یاد رکھیں کہ اللہ کا رسول اپنی دل جمعی و طمانیت کے لیے ان کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہی اس کی محتاج ہیں۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ ان بیویوں کی طرف سے جس رویے کا ظاہرہ ہوا اس کا محرک کوئی نفرت یا غصہ کا جذبہ نہیں بلکہ، جیسا کہ واضح ہوا محض اعتماد و محبت یا بالفاظ دیگر تدلل کا جذبہ تھا لیکن قرآن نے اس پر گرفت سخت الفاظ میں کی۔ اس کی وجہ وہی ہے جس کی طرف ہم تمہیدی مباحث میں اشارہ کر چکے ہیں کہ اس سورہ میں دراصل تعلیم دی ہی اس بات کی گئی ہے کہ محبت کے جذبات کے اندر بھی اللہ کے حدود اور اس کے احکام و اوامر کی پوری پوری پابندی کی جائے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ازواجِ نبی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اپنا شوہر ہی نہیں بلکہ ہر حال میں آپ کو اللہ کا رسول سمجھیں اور

ہر طرح کے حالات کے اندر اس خاص پہلو کو سب سے زیادہ اہتمام کے ساتھ مستحضر رکھیں۔ اس لیے کہ آپ کی یہ حیثیت دوسری تمام حیثیتوں پر بالا ہے۔

'اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا'۔ اس ٹکڑے کی تاویل میں ہمارے مفسرین سے سخت لغزش ہوئی ہے۔ انھوں نے 'صَغَتْ' کے معنی کج ہونے کے لیے اور تاویل یہ کی کہ اگر تم دونوں توبہ کرو تو یہی تمھیں کرنا چاہیے اس لیے کہ تمھارے دل تو کج ہو چکے ہیں۔

اس تاویل میں کئی غلطیاں ہیں جن میں سے بعض کی طرف ہم توجہ دلائیں گے۔

لفظ 'صغو' کی تحقیق

۱۔ اس میں پہلی غلطی تو یہ ہے کہ یہ تاویل عربیت کے بالکل خلاف ہے۔ لفظ 'صغو' عربی میں کسی شے سے انحراف کے معنی میں نہیں بلکہ کسی شے کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ استاذ امام رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر سورۂ تحریم میں اس لفظ کی لغوی تحقیق بیان فرمائی ہے۔ اس کا ضروری حصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

"دنیا کی تمام زبانوں میں عموماً اور عربی زبان میں خصوصاً خاص خاص الفاظ ایک کلی معنی کے تحت ہوتے ہوئے بھی خاص خاص معانی کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ جو لوگ زبان کی ان خصوصیات سے ناواقف ہوتے ہیں وہ اس کے فہم سے بالکل محروم رہتے ہیں۔"

یہ کلیہ بیان کرنے کے بعد مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"مثلاً 'میل' جس کے معنی جھکنے اور ہٹنے کے ہیں، ایک کلی مفہوم ہے جس کے تحت عربی میں بہت سے الفاظ ہیں، مثلاً زیغ، جور، ازعواء، حیادۃ، انحراف وغیرہ لیکن یہ سب میل عن الشیء یعنی کسی چیز سے ہٹ جانے یا برگشتہ ہو جانے کے لیے آتے ہیں۔ پھر اسی کلی مفہوم کے تحت فئی، توبۃ، التفات اور صغو وغیرہ الفاظ بھی ہیں جو سب کے سب میل الی الشیء یعنی کسی چیز کی طرف مائل ہونے اور جھکنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں......"

"لفظ کی اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد عربی زبان کے ایک عالم سے یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ 'صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا' کے معنی 'اناب قلوبکما ومالت الی اللہ ورسولہ' (یعنی تم دونوں کے دل اللہ اور رسول کی طرف جھک چکے ہیں) کے ہوں گے کیونکہ لفظ 'صغو' کسی شے کی طرف جھکنے کے لیے آتا ہے، اس سے مڑنے اور ہٹنے کے لیے نہیں آتا۔"

"اس لفظ کی یہ حقیقت اس کے تمام مشتقات میں بھی موجود ہے۔ مثلاً 'صاغیۃ الرجل' کسی شخص کے اتباع کو کہتے ہیں۔ 'صغوہ معك' کے معنی ہیں اس کا میلان تمھاری طرف ہے۔ 'اصغیت الی فلان' کے معنی ہیں اس کی طرف تم نے کان لگایا۔ حدیث شریف میں ہے: 'ینفخ فی الصور فلا یسمعه احد الا اصغی الیه' (صور پھونکا جائے گا تو ہر شخص اس کی طرف متوجہ

ہوجائے گا) اسی طرح محاورہ ہے 'اصغی الیہ بمعنی خدّہ' (بچہ اپنی آغوشِ محبت کو خوب پہنچاتا ہے)، 'ھرۃ' (بلی) والی حدیث میں ہے: 'کان یصغی لھا الاناء' (اس کے لیے برتن جھکا دیتے کہ وہ آسانی سے پانی پی لے)۔ برتن کے جوف کو 'صغو' کہتے ہیں کیونکہ چیز اس میں جمع ہوجاتی ہے۔"

ابنِ بری نے 'اصغاء سمع' (کسی کی طرف کان لگانا) کے ثبوت میں کسی شاعر کا مندرجہ ذیل شعر پیش کیا ہے:

تری السفیہ بہ عن کل مکرمۃ — زیغ وفیہ للتسفیہ اصغاء

(بے وقوف عزت و شرف کی باتوں سے منہ موڑتا ہے اور سفاہت کی باتوں کی طرف کان لگاتا ہے)

"شاعر اونٹنی کی تعریف میں کہتا ہے:

تصغی اذا شدّھا بالکور جانحۃ — حتی اذا ما استوی فی غرزھا تثب

(جب وہ اس پر کجاوہ کستا ہے وہ گردن موڑ کر کان لگاتی ہے اور جب وہ رکاب میں پاؤں رکھ دیتا ہے وہ جھپٹ پڑتی ہے)"

"اعشیٰ اپنی کتیا کی آنکھ کا ذکر کرتا ہے:

تری عینھا صغواء فی جنب مُوقھا — تراقب کفی والقطیع المحرما

(اس کی آنکھ گوشۂ چشم کی طرف جھکی ہوئی ہوتی ہے اور وہ میرے ہاتھ اور سخت کوڑے کو دیکھتی ہوتی ہے)

"نمر بن تولب نے 'اصغاء اناء' کا محاورہ ایک خاص معنی میں استعمال کیا ہے لیکن لفظ کے اصل مفہوم کی روح اس کے اندر بھی موجود ہے:

وان ابن اخت القوم مصغی اناؤہ — اذا لم یزاحم خالہ باب جلد

(اور قوم کے بھانجے کی حق تلفی کی جاتی ہے اگر وہ اپنے ماموؤں کی مزاحمت ایک بہادر باپ سے نہ کرے)"

مولانا رحمۃ اللہ علیہ یہ محاورات و اشعار لسان العرب سے نقل کرنے کے بعد، نہایت گہرے تاثر کے ساتھ فرماتے ہیں:

"جن لوگوں کو حق کی تلاش ہے ان کے لیے یہ شواہد بس ہیں۔ وہ ان سے مطمئن ہو جائیں گے اور گھڑنے والوں نے روایات و آثار میں جو زہر ملایا ہے اس سے وہ متاثر نہ ہوں گے۔ انھوں نے جب کتاب الٰہی میں کسی لفظی تحریف کی راہ مسدود دیکھی تو معنوی تحریف ہی کی کچھ

راہیں کھول لیں اور 'صغو' کے معنی 'زیغ' کے کر دیے حالانکہ دونوں کے درمیان آسمان و زمین کا فرق ہے۔ بعض روایات میں 'ذاغت' کی جو قرارت آئی ہے وہ بالکل ہی ناقابلِ التفات ہے۔"

عربیت کے ایک اسلوب کی وضاحت

۲- دوسری غلطی اس میں یہ ہے کہ اگر بات یہ کہنی ہوتی کہ تم دونوں توبہ کرو اس لیے کہ تمھارے دل کج ہو چکے ہیں، تو اس کے لیے یہ اسلوب بیان، جو قرآن نے یہاں اختیار کیا ہے، بالکل ہی ناموزوں ہے۔ 'اِنْ' شرطیہ کے بعد 'فَقَدْ' جو آتا ہے، جس طرح یہاں آیا ہے، اس کی متعدد مثالیں قرآن اور کلامِ عرب سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ پیش کرنے کے بعد اس اسلوب کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

"ان مثالوں پر غور کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ اس اسلوب میں 'فَقَدْ' کے بعد جو جملہ آتا ہے وہ اس امر کی آسانی و سہولت کو بیان کرتا ہے جو 'اِنْ' کے بعد کہی جاتی ہے۔ یعنی اسلوب کے اجمال کو کھول دیا جائے تو تقدیرِ کلام یوں ہوگی کہ اگر ایسا ہوا تو کچھ حرج نہیں، یا کوئی تعجب نہیں یا یہ معمولی بات ہے کیونکہ ایسا ہو چکا ہے۔ اسی روشنی میں آیت کی تاویل یہ ہوگی کہ اگر تم پیغمبر کی رضاجوئی کے لیے خدا سے توبہ کرو تو یہی تم سے متوقع ہے اس لیے کہ تمھارے دل تو پہلے ہی سے اسی کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔"

نفسیاتِ انسانی کی ایک حقیقت

۳- اس میں تیسری غلطی یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات کو بالکل بلاسبب دل کے زیغ و انحراف کا گنہگار بنا دیا گیا ہے حالانکہ اوپر ہم نے الفاظِ قرآن کی روشنی میں واقعہ کی جو نوعیت بیان کی ہے اس سے صاف واضح ہے کہ اس میں کسی پہلو سے کسی فسادِ نیت کا کوئی شائبہ نہیں ہے بلکہ جو کچھ بھی ہوا باہمی اعتماد و محبت اور اخلاص کی بنا پر ہوا۔ حضورؐ نے ایک بات راز کے طور پر ایک بیوی سے کہی انھوں نے وہ بات بر بنائے محبت دوسری بیوی پر ظاہر کر دی۔ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے اس افشائے راز سے آگاہ فرما دیا تو آپ نے ان بیوی صاحبہ کو ٹوکا جن سے یہ کوتاہی صادر ہوئی لیکن انھوں نے اس ٹوکنے کو قرارِ واقعی اہمیت نہ دی بلکہ یہ خیال کیا کہ شوہر کی بات انھوں نے شوہر ہی کی دوسری معتمد و محبوب بیوی پر اگر ظاہر کی تو یہ ایسی غلطی نہیں ہے جس پر گرفت کی جائے۔ پھر ان کے اس رویے پر حضورؐ کچھ کھنچے کھنچے ظاہر ہوئے تو اس اعتماد کی بنا پر جو شوہر کی محبت پر تھا وہ بھی ازراہِ تدلّل روٹھ گئیں اور اس میں ان بیوی صاحبہ نے بھی ان کا ساتھ دیا جن پر راز ظاہر کیا گیا تھا۔ انھوں نے، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، اس بات میں اپنی کچھ توہین سی محسوس فرمائی ہوگی کہ ایک ایسی بات پر عتاب ہوا جو ان پر ظاہر کی گئی۔ اس طرح کے احساسِ خودداری کا معزز گھرانوں کی سیدات کے اندر ابھرنا ذرا بھی عجیب نہیں ہے۔

یہاں نفسیاتِ انسانی کی یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ جب روٹھنے کا سبب محبت و اعتماد ہو تو خفگی محض ظاہر کا پردہ ہوتی ہے جس کے پیچھے نہایت گہری خواہشِ ملاپ کی موجود ہوتی ہے،

یہاں بھی یہی صورت تھی۔ دونوں بیویاں بظاہر روٹھ گئیں لیکن دل کے ہر گوشے میں یہ بے قراری موجود تھی کہ حضورؐ کی طرف سے ذرا ملاطفت کا اظہار ہو تو وہ خفگی کا یہ مصنوعی پردہ اٹھا دیں لیکن حضورؐ اپنے رویہ میں کوئی نرمی اس وجہ سے پیدا نہیں کر سکتے تھے کہ آپ کو، جیسا کہ واضح ہوا، گھر والوں کو یہ تعلیم دینی تھی کہ محبت کے اندر بھی وہ اللہ و رسول کے احکام کو مقدم رکھیں۔ ناچار بیویوں ہی کو اپنی بے جا خودداری سے دست بردار ہونا تھا لیکن اعتماد محبت کی زنجیر سخت ہوتی ہے۔ دل سے یہ چاہنے کے باوجود کہ کوئی ایسی بات ہو جائے کہ یہ بیگانگی دور ہو، وہ پہل کرنے سے ہچکچاتی رہیں۔ قرآن نے اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا کے الفاظ سے ان کی اسی باطنی کشمکش کی طرف نہایت خوبی سے اشارہ کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مفسرین اس کو سمجھ نہ سکے۔ اور دل کے اس پُرمحبت جھکاؤ کو العیاذ باللہ وہ دل کی کجی گمان کر بیٹھے۔

سیدہ عائشہؓ اور سیدہ حفصہؓ میں گہری محبت تھی

وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ۔ 'تظاهر' کے معنی ہیں ایک دوسرے کے ساتھی اور مددگار بننا۔ اس کے بعد 'علیٰ' کے صلہ سے اس کے اندر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایکا یا اتحاد کر لینے کا مفہوم پیدا ہو گیا۔ اوپر ہم اس اتحاد کی نوعیت اور اس کے سبب کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ کسی جنگ و پیکار کا مظاہرہ نہیں بلکہ اعتماد و تدلل کا مظاہرہ تھا۔ انھوں نے یہ خیال کیا کہ اس معاملے میں انھیں اپنی خودداری کے اظہار کا حق حاصل ہے۔ یہ حقیقت ان کی نگاہوں سے اس وقت اوجھل ہو گئی کہ دین کے معاملے میں احتساب سے کوئی بھی بالا نہیں ہے یہاں تک کہ اللہ کا رسول بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

اس امر پر نگاہ رہے کہ یہاں جن سیدات کے اتحاد کی طرف اشارہ ہے مشہور روایت کے مطابق وہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں جن کی نسبت تفسیری روایات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ان کے درمیان سوکنوں کے قسم کا چشمک و رقابت برابر رہتی تھی لیکن قرآن کے اس مقام میں ان کا جو کردار بیان ہوا ہے وہ اس امر کی ناقابل تردید شہادت ہے کہ ان میں ایسی گہری محبت تھی کہ وہ شوہر کے راز میں بھی ایک دوسری کو شریک کر لیتی تھیں۔ یہاں تک کہ بعض اوقات ایک دوسری کی ہمدردی میں شوہر سے روٹھ بھی جاتی تھیں۔

پیغمبر صلعم کی دلچسپی کا اصل مرکز

آیت میں خطاب اگرچہ دونوں بیویوں سے ہے لیکن اس میں جو تنبیہ ہے وہ تمام ازواج مطہراتؓ سے متعلق ہے۔ ان کو یہ آگاہی دی گئی ہے کہ اگر وہ روٹھ جائیں گی تو یہ نہ سمجھیں کہ اس سے ہمارے پیغمبر کی بزم سونی ہو جائے گی۔ پیغمبر کو جو دلچسپی ان کے ساتھ ہے اس کی حیثیت ثانوی ہے۔ اس کی اصل وابستگی اللہ سے ہے جو اس کا مولیٰ و مرجع ہے، پھر جبریل اس کے ساتھی ہیں جو وحی لاتے ہیں، پھر مومنین صالحین ہیں جو اس کی توجہ و تربیت کے اصل حقدار ہیں۔ مزید برآں اللہ کے فرشتے ہیں جن کی

رفاقت و معیت اس کو ہر شکل میں حاصل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ازواجِ نبی (رضی اللہ عنہم) کو اپنے شوہر کے ساتھ معاملہ کرنے میں اس فرقِ عظیم کو ملحوظ رکھنا چاہیے جو ایک عام شوہر اور ایک پیغمبرؐ میں ہوتا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عظیم مصروفیات میں سے جو لمحے بچا کر انھیں بخش دیں اس کی قدر کریں۔ اس گمان میں نہ رہیں کہ پیغمبرؐ ان کی محبت و رفاقت کے محتاج ہیں اس وجہ سے ہر معاملے میں لازماً ان کی دلداری ملحوظ رکھیں گے۔ وہ دلداری وہیں تک کریں گے جہاں تک اللہ تعالیٰ کے حدود کے اندر گنجائش ہوگی۔ اگر کسی معاملے میں ذرا بھی حدود سے تجاوز ہوگا تو اس پر احتساب بھی ان کے فرائض میں داخل ہے جس میں کوتاہی ان کے لیے روا نہیں ہے۔

عَسٰی رَبُّہٗۤ اِنۡ طَلَّقَکُنَّ اَنۡ یُّبۡدِلَہٗۤ اَزۡوَاجًا خَیۡرًا مِّنۡکُنَّ مُسۡلِمٰتٍ مُّؤۡمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبۡکَارًا (۵)

ازواجِ نبیؐ کے ساتھ اعلیٰ صفات کا ایک آئینہ

یہ وہی اوپر والا مضمون، احتساب کے تقاضے سے کس قدر تیز ہو گیا ہے۔ ازواجِ مطہراتؓ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمھیں یہ گمان نہیں ہونا چاہیے کہ اگر تم پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سے روٹھ گئیں تو پھر اس کی دلبستگی کا کوئی سہارا باقی نہیں رہے گا۔ آج اللہ نے اس کی رفاقت کے لیے جس طرح تمھارا انتخاب فرمایا ہے اگر وہ تمھیں طلاق دے چھوڑے تو اللہ تم سے بہتر بیویاں اس کے لیے منتخب فرما دے گا جن کے اندر وہ تمام اوصاف ہوں گے جو ہونے چاہئیں۔ یہاں ان بیویوں کے جو اوصاف گنائے ہیں وہ سب دوسرے مقامات میں زیرِ بحث آ چکے ہیں۔ خاص طور پر سورۂ احزاب آیت ۳۵ کے تحت جو بحث گزر چکی ہے اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ یہاں اعادے میں طوالت ہوگی۔

کنواریوں کے ساتھ 'ثَیِّبٰتٌ' کے ذکر سے مقصود اس حقیقت کو سامنے لانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اصلی قدر و قیمت اعلیٰ اوصاف کی ہے، ثیّبہ اور کنواری ہونا ثانوی چیزیں ہیں۔ اگر اوصافِ حمیدہ موجود ہوں تو ثیّبہ کو کنواری پر تقدم حاصل ہے چنانچہ یہاں 'ثیّبات' کا ذکر پہلے ہے۔

'سٰٓئِحٰتٌ' کا ترجمہ مترجمین نے 'روزہ رکھنے والیاں' کیا ہے لیکن ہمارے نزدیک لفظ کی یہ تعبیر ناقص ہے۔ یہ 'سیاحت' سے ہے جو ایک دینی اصطلاح ہے اور جس کا مفہوم وسیع ہے۔ سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۲ کے تحت اس کی پوری تحقیق ہم بیان کر چکے ہیں۔ اس کی روح زُہد اور ترکِ دنیا ہے اس وجہ سے اس سے وہ عبادات اور ریاضتیں مراد ہیں جو اسلام نے ترکِ دنیا اور زہد کے لیے پسند فرمائی ہیں، مثلاً روزہ، اعتکاف اور حج وغیرہ۔ یہ درحقیقت رہبانیت کے زمرہ کی عبادت ہے۔ جس طرح رہبانیت اسلام میں ایک خاص حد ہی تک جائز ہے اسی طرح سیاحت بھی ایک خاص حد ہی تک مطلوب ہے۔ روزہ اس ریاضت کے اہم ارکان میں سے ضرور ہے لیکن اس کا ترجمہ روزہ کے لفظ سے صحیح نہیں ہے۔ میں نے اس کا ترجمہ ریاضت کرنے والیاں کیا ہے جو نسبتہً جامع ہے اور ان

تمام عبادتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے جو اس کے تحت آتی ہیں۔ ان میں روزہ بھی شامل ہے۔

دین میں احتساب کی اہمیت

یہ آیات پڑھتے ہوئے یہ حقیقت مستحضر رہے کہ یہ احتساب ازواجِ نبی (رضی اللہ عنہم) کا ہو رہا ہے جن کی پاکی و طہارت میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور جن کو تمام عالم کی عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ ان سیّدات کو محض اس بنا پر طلاق تک کی دھمکی دے دی گئی کہ ان سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تربیت قبول کرنے کے معاملے میں ذرا سی بے پروائی ہو گئی اور وہ بھی بربنائے مخالفت و مکابرت نہیں بلکہ محض بربنائے محبت و اعتماد۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ دین میں احتساب و تربیت کا کیا درجہ ہے۔ گویا اسلامی معاشرہ میں وصل و فصل کی اصل بنیاد یہی ہے۔ جو محبت اس احتساب و تربیت سے خالی ہو وہ محبت نہیں بلکہ شیطان کا پھندا ہے۔ اہل ایمان کی محبت کا اصل جمال یہی ہے کہ وہ اللہ کے حدود کے تابع ہوتی ہے۔ اس معاملے میں وہ ایک دوسرے سے کبھی غافل نہیں ہوتے بلکہ جن سے جتنی ہی زیادہ محبت ہوتی ہے ان کے احتساب میں وہ اتنے ہی زیادہ بیدار ہوتے ہیں اس لیے کہ حقیقی محبت کا تقاضا یہی ہے۔ پھر جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے خیر خواہانہ کلمات کے لیے دلوں میں کوئی جگہ باقی نہیں رہی ہے تو وہ عزیز سے عزیز رشتوں کے کاٹ دینے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے اس لیے کہ روحانی تعلق کے ختم ہو جانے کے بعد مجرد جسمانی تعلق کی ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت باقی نہیں رہتی۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (۶)

احتساب کی عام منادی

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے احتساب کے بعد یہ عام مسلمانوں کو جھنجھوڑا ہے کہ تم بھی اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی اس آگ سے بچانے کی کوشش کرو جس کے ایندھن لوگ اور پتھر بنیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم نے دیکھ لیا کہ پیغمبرؐ اور ان کی ازواجؓ بھی اللہ تعالیٰ کے احتساب سے بالا نہیں ہیں تو دوسروں کا کیا ذکر! ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنے کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے جو کچھ کر سکتا ہے وہ اٹھا نہ رکھے۔ جب بھی دیکھے کہ ان کے اندر اللہ کی شریعت سے بے پروائی راہ پا رہی ہے فوراً اس کے سدّباب کی فکر کرے۔ یہ پروا نہ کرے کہ یہ چیز اس کی طبیعت پر شاق گزرے گی اور اس کے نتیجہ میں ان کی ناراضی و بے زاری مول لینی پڑے گی۔ یہ ناگواری و بیزاری اس امر کے مقابل میں آسان ہے کہ آدمی ان کو جہنم میں جانے کے لیے چھوڑ دے اور آخرت میں اس کی مسئولیت، جیسا کہ 'کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ[1]' والی حدیث میں وارد ہے، اپنے سر لے۔

آتشِ دوزخ کی اصل غذا

'وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ' کے الفاظ اس آگ کے مزاج کو ظاہر کر رہے ہیں کہ اس کی اصل غذا

---

[1] تم میں سے ہر ایک چرواہا بنایا گیا اور ہر ایک سے اس کے گلے کے بارے میں پرسش ہونی ہے۔

آگ اور پتھر بنیں گے۔ اسی ایندھن سے وہ اپنے اصلی رنگ میں بھڑکے گی۔ 'آگ' سے مراد ظاہر ہے کہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس دنیا میں اپنے آپ کو پاک نہیں کیا بلکہ انہی گندگیوں میں لتھڑے رہے جن سے پاک کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت نازل فرمائی۔

'حِجَارَۃُ' سے ہمارے نزدیک، جیسا کہ البقرۃ کی آیت ۲۴ کے تحت وضاحت ہو چکی ہے، وہ پتھر مراد ہیں جو اس دنیا میں شرک و کفر اور عبادت غیر اللہ کی علامت کی حیثیت سے پوجے گئے۔ انہی چیزوں کو جلانے کے لیے یہ آگ پیدا کی گئی ہے تو جب یہ ایندھن اس کو ملے گا تو اس کو گویا اس کا من بھاتا کھاجا ملے گا اور وہ 'ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ' کہتے ہوئے ایک ایک چیز کو نگلے گی اور جیسا کہ فرمایا ہے 'لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ' نہ کسی چیز پر ذرا ترس کھائے گی اور نہ کسی چیز کو چھوڑے گی۔

دوزخ پر مامور فرشتوں کا مزاج

'عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ'۔ یعنی اس دوزخ پر جو فرشتے مقرر ہوں گے وہ نہایت درشت مزاج اور سخت گیر ہوں گے۔ ذرا کسی کے ساتھ نرمی اور مداہنت نہیں برتیں گے۔ ان کو جو حکم ملے گا سر مُو اس کی خلاف ورزی نہیں کریں گے بلکہ وہی کریں گے جیسا کہ ان کو حکم ملے گا۔

اس ٹکڑے میں ان لوگوں پر تعریض ہے جو اپنے اہل و عیال کی کسی بڑی سے بڑی غلطی پر بھی ان کو ٹوکنا محبت کے منافی سمجھتے ہیں۔ فرمایا کہ آج اگر ان کی محبت ان کے احتساب سے تم کو روکے ہوئے ہے تو یاد رکھو کہ دوزخ پر جو فرشتے مامور ہیں وہ محبت کرنے والے نہیں بلکہ بڑے ہی درشت مزاج اور سخت گیر ہوں گے۔ بہتر ہے کہ ان سے سابقہ پڑنے سے پہلے پہلے تم ہی اپنے احتساب سے اپنے آپ کو بھی اور ان کو بھی جس حد تک عذاب کی گرفت سے بچانے کی کوشش کر سکتے ہو کر لو۔

'لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ'۔ یعنی آج تمھیں احتساب کی جو ہدایت دی جا رہی ہے اگر تمھارے دلوں پر شاق گزر رہی ہے تو شاق گزرے دوزخ کے داروغوں پر یہ ذرا بھی شاق نہیں گزرے گی۔ وہ اللہ کے کسی حکم کی ذرا بھی خلاف ورزی نہیں کریں گے بلکہ ہر حکم کی پوری پوری تعمیل کریں گے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ ط اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۷)

یعنی اس دن کسی کے لیے کسی عذر و معذرت کی کوئی گنجائش نہ ہو گی۔ جو لوگ کوئی عذر پیش کرنا چاہیں گے ان کو جواب ملے گا کہ آج کوئی عذر پیش نہ کرو۔ تمھارے سامنے جو کچھ آ رہا ہے تمھاری اپنی ہی بوئی ہوئی فصل کا حاصل ہے۔ دنیا میں تم نے جو کمائی کی ہے اب اس کے نتائج بھگتو۔ یہ کسی غیر کے کیے ہوئے جرائم نہیں ہیں جو تمھارے کھاتے میں ڈال دیے گئے ہوں بلکہ تمھارے ہی جرائم کی مکافات تمھارے سامنے آ رہی ہے تو اس پر تمھارا واویلا اب بے سود ہے۔ اس سے بچنے کے لیے تم جو کچھ کر سکتے تھے

دنیا میں کر سکتے تھے، اب اس کا وقت گزر گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۸)

توبہ اور رجوع الی اللہ کی دعوتِ عام

اوپر والی تنبیہ کے بعد اب یہ تمام مسلمانوں کو توبہ اور رجوع الی اللہ کی دعوت دی ہے کہ اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، اپنے غفلت کے بستر چھوڑو اور اپنے رب کی طرف مخلصانہ رجوع کرو۔

'توبۃ نصوح' سے مراد وہ توبہ ہے جو دل کے پورے انقیاد اور سچے عزم کے ساتھ ہو، جس کے بعد گناہ کی طرف مڑنے کی کوئی خواہش باقی نہ رہے بلکہ گناہ کو آخری طلاق دے کر آدمی اپنے آپ کو اپنے رب کے آگے ڈال دے۔ فرمایا کہ جو لوگ اس طرح توبہ کریں گے وہ توقع رکھیں کہ اللہ ان کے گناہوں کے اثرات ان کے اوپر سے دور کر دے گا اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔

'عسیٰ' کے متعلق اس کے محل میں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ جب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو خطاب کر کے آئے تو اس کی نوعیت بندوں کے لیے وعدے اور بشارت کی ہوتی ہے بشرطیکہ بندے اپنے کو اس کا اہل ثابت کریں۔

'يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ'۔ اس 'يَوْمَ' کو فعل 'يُدْخِلَ' کا ظرف بھی قرار دے سکتے ہیں اور اس سے پہلے کوئی فعل محذوف بھی مان سکتے ہیں۔ فرمایا کہ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے باایمان ساتھیوں کو رسوا نہیں کرے گا اس لیے کہ وہ اس دنیا ہی میں اپنے احتساب کے چھاج میں پھٹک کر صرف ان لوگوں کو اپنی معیت کے لیے انتخاب کریں گے جو کفر و نفاق کی آلائش سے بالکل پاک اور صدق صد کھرے ہوں گے۔ یہ ان لوگوں کے مانند نہیں ہوں گے جنھوں نے خود بھی منافقانہ زندگی گزاری اور اپنی مداہنت سے اپنے اہل و عیال اور دوسرے متعلقین کو بھی نفاق کی راہ دکھائی۔ یہ لوگ قیامت کے دن رسوا ہوں گے اس لیے کہ اس دن ان کو ان کے نفاق کی تاریکی گھیرے گی۔ جب کہ پیغمبرؐ اور ان کے اصحابؓ اپنے ایمان و اخلاص کی روشنی میں اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہوں گے۔

قیامت کے دن پیغمبرؐ اور ان کے ساتھی اور اہلِ ایمان کی سرفرازی

'نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ'۔ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی سرخروئی اور سرفرازی کا بیان ہے کہ اس دن سب اندھیرے میں بھٹک رہے ہوں گے لیکن پیغمبرؐ اور ان کے ساتھیوں کے آگے اور داہنے ان کی روشنی ہوگی جو ان کی رہنمائی کر رہی ہوگی اور وہ دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب ہماری روشنی کو کامل کر، ہماری مغفرت فرما، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اس روشنی کا ذکر سورۂ حدید میں بھی گزر چکا ہے۔ وہاں ان لوگوں کا بھی ذکر آیا ہے جو اس دن رسوا ہوں گے۔ فرمایا ہے:

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ	جس دن مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان
يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَ	کی روشنی ان کے آگے اور ان کے دہنے چل رہی ہوگی۔
بِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ	ان کو خوش خبری دی جا رہی ہوگی کہ آج تمھارے لیے
تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ	ایسے باغوں کی بشارت ہے جن میں نہریں جاری ہیں۔
فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝	ان میں ہمیشہ رہو گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ جس دن
يَوْمَ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ	منافق مرد اور عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ
لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ	ذرا ہمیں بھی موقع دیجیے کہ ہم بھی آپ لوگوں کی روشنی
مِن نُّورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ	سے فائدہ اٹھالیں۔ ان کو جواب ملے گا کہ پیچھے پلٹو
فَالْتَمِسُوا نُورًا ۖ فَضُرِبَ	اور وہاں سے روشنی تلاش کرو۔ پھر ان کے درمیان
بَيْنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ ۖ بَاطِنُهُ	ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ
فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِن قِبَلِهِ	ہوگا۔ اس کے اندر کی جانب رحمت ہوگی اور اس کے
الْعَذَابُ ۝ يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُن	باہر کی طرف سے عذاب۔ یہ منافقین ان کو پکاریں گے
مَّعَكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ	کہ کیا ہم آپ لوگوں کے ساتھ نہ تھے؟ وہ جواب دیں گے
أَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ	ساتھ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے کو فتنوں میں ڈالا،
الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُم	انتظار میں رہے، شک کیا اور آرزوؤں نے تمھیں دھوکے
بِاللَّهِ الْغَرُورُ ۝	میں رکھا یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہوگیا اور اللہ
(الحدید ۵۷: ۱۲-۱۴)	کے بارے میں شیطان نے تمھیں دھوکے ہی میں رکھا۔

'رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۖ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ' یہ روشنی ان لوگوں کو جنت میں داخل ہونے سے پہلے جنت کے راستہ کو طے کرنے کے لیے دکھائی جائے گی جب کہ ان کے دہنے اور آگے کے سوا ہر طرف اندھیرا گھپ ہوگا اس وجہ سے یہ لوگ گہرے جذبۂ شکر کے ساتھ یہ دعا کریں گے کہ اے رب، تو اس روشنی کو کامل کر اور ہماری مغفرت فرما۔ ظاہر ہے کہ جب راستہ طے کرنے کے لیے یہ روشنی عطا ہوگی تو اس سے قدرتی طور پر یہ توقع بھی پیدا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مغفرت سے نوازنے والا ہے اور وہ وقت لازماً اس روشنی کے کامل ظہور کا ہوگا۔ چنانچہ وہ اپنی اسی توقع کے پورے کیے جانے کے لیے دعا کریں گے۔

'إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ' یہ ان لوگوں کی زبان سے اس حقیقت کا اظہار ہوگا کہ ہم ایک

عقیدہ کے طور پر مانتے تو رہے ہیں کہ تو ہر چیز پر قادر ہے لیکن اب ہم نے اپنی آنکھوں سے بھی اس حقیقت کا مشاہدہ کر لیا۔ لاریب تو ہر چیز پر قادر ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (۹)

پیغمبر صلعم کو عام احتساب کی تاکید

مومنین و متعلقین کے احتساب کے بعد یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عام فریضۂ احتساب کی تاکید ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ مامور تھے۔ آیت میں جس جہاد کا حکم ہے وہ تلوار اور زبان دونوں ہی کا جہاد ہے، البتہ دونوں کے محل الگ الگ ہیں۔ جن لوگوں پر حجت تمام ہو چکی تھی اور وہ علانیہ حق دشمنی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے ان سے تو جہاد تلوار کے ذریعہ سے تھا جس کی تفصیل پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہے اور جو لوگ بظاہر تو ایمان کے مدعی تھے لیکن ایمان کے تقاضوں سے گریزاں تھے ان کے بارے میں خاص طور پر ہدایت ہوئی کہ ان کا احتساب کیا جائے اور اب یہ احتساب نرم انداز میں نہیں بلکہ سخت انداز (وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ) میں کیا جائے۔

منافقین کے احتساب میں درشت رویہ اختیار کرنے کی ہدایت

یہ سخت انداز میں منافقین کے احتساب کی تاکید اس وجہ سے ہوئی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کریم النفسی کے سبب سے ان کی غلطیوں پر جب بھی گرفت فرماتے نرم ہی انداز میں فرماتے تاکہ ان کی رسوائی نہ ہو۔ اس کریمانہ انداز کی انھیں قدر کرنی تھی لیکن منافقین اس کے اہل نہ تھے۔ وہ اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے دلیر ہوتے جا رہے تھے کہ ان کا فریب کامیاب ہو رہا ہے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ انداز بدل دینے کا حکم دیا اور سختی کے ساتھ ان کے احتساب کی تاکید فرمائی تاکہ ان کے کان کھلیں اور اگر وہ اپنی اصلاح کرنی چاہیں تو کر لیں ورنہ ان کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ سورۂ توبہ کی آیت ۷۳ کے تحت اس مضمون کی وضاحت ہو چکی ہے۔ تفصیل مطلوب ہو تو اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ یعنی تم اب ان کو اچھی طرح جھنجھوڑ کر سنا دو کہ اگر انھوں نے اپنی روش نہ بدلی تو یاد رکھیں کہ ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ نہایت برا ٹھکانا ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ (۱۰)

آدمی کے کام آنے والی چیز اس کا عمل ہے نہ کہ بزرگوں سے نسبت

یہ آخر میں مثال پیش کی ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کام آنے والی چیز آدمی کا اپنا عمل ہے۔ جس کے پاس حسن عمل کی پونجی نہیں ہوگی اس کو کسی بڑے سے بڑے کی نسبت بھی کچھ نفع پہنچانے والی نہیں بن سکے گی۔ فرمایا کہ نوح (علیہ السلام) اور لوط (علیہ السلام) کی بیویاں ہمارے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں لیکن انھوں نے ان کا اسوۂ حسنہ اختیار کرنے کے بجائے ان کے ساتھ بے وفائی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسولوں کی بیویاں ہونے کے باوجود ان کو حکم ہوا کہ دوسرے جہنم میں پڑنے والوں کے ساتھ جاؤ تم دونوں

بھی جہنم میں پڑو۔

اس مثال کا حوالہ کفار کی عام سبق آموزی کے لیے دیا گیا ہے چنانچہ فرمایا بھی ہے: 'ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا' (اللہ نے یہ مثال کفار کی سبق آموزی کے لیے بیان کی ہے) اس کو ابتدائے سورہ میں بیان کیے ہوئے امہات المومنینؓ کے واقعات سے ربط ہے تو محض ایک کلی نوعیت کا ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ خاص اسی تعلق سے یہ بیان ہوئی ہے۔ آخرت کی مسئولیت سے سب سے زیادہ بے پروائی، خاص طور پر اہل مذاہب کے اندر، اس غلط وہم نے پیدا کی کہ انھوں نے خیال کیا کہ وہ اللہ کے محبوبوں اور برگزیدوں کی اولاد ہیں اس وجہ سے ان کو دوزخ کی آگ کبھی نہیں چھوئے گی۔ یہود اور نصاریٰ اسی فتنہ میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے اور اب مسلمان بھی اسی فتنہ میں مبتلا ہیں۔

آیت میں ان دونوں عورتوں کے بارے میں لفظ 'خَانَتَا' آیا ہے جس سے یہ بات تو واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ یہ اپنے شوہروں کی رازدار و وفادار نہیں تھیں لیکن اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ان کے اندر فحشاء کے قسم کی کوئی برائی رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو اس قسم کی گندگی کے ہر شائبہ سے پاک رکھتا ہے۔ روایات میں آتا ہے کہ لوط علیہ السلام کی بیوی ان کے پاس آنے والے مہمانوں کی خبر قوم کے غنڈوں کو کر دیتی تھی۔ ان کی اس قسم کی بے وفائیوں کو خیانت سے تعبیر فرمایا ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (١١)

بڑے سے بڑے ماحول کے اندر بھی اپنے ایمان کی حفاظت واجب ہے

یہ مثال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی سبق آموزی کے لیے بیان فرمائی ہے کہ بڑے سے بڑے ماحول کے اندر بھی آدمی پر اپنے ایمان کی حفاظت واجب ہے۔ اگر اس ماحول کے اندر اسے عیش حاصل ہو جب بھی اس کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ محسوس کرے کہ گویا وہ اسے کاٹے کھا رہا ہے اور اگر وہ اس کے لیے دار العذاب ہو جب بھی وہ ہر قسم کے مصائب جھیل کر اپنے ایمان کی حفاظت کرے۔ فرمایا کہ فرعون کی بیوی ملکہ تھیں اور محل میں رہتی تھیں لیکن ان کی دعا یہ تھی کہ اے میرے رب! تو خاص اپنے پاس جنت میں میرے لیے ایک گھر بنا اور فرعون اور اس کے عمل اور ظالموں کی قوم سے مجھے نجات دے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس ماحول کے اندر وہ اپنے آپ کو ایک دار العذاب کے اندر محسوس کر رہی تھیں اس لیے کہ پورا ماحول ظلم اور معصیت کا ماحول تھا۔ ایک مومن اور ایک مومنہ کو کفر، معصیت اور ظلم و عدوان کے ماحول میں کبھی اطمینان کا سانس نہیں لینا چاہیے اگرچہ اس کے اندر ذاتی طور پر انھیں شاہی محل ہی حاصل ہو۔

'وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ' سے یہ بات بھی نکلتی ہے۔ کہ وہ اس امر سے

اچھی طرح آگاہ تھیں کہ آدمی ایک برے ماحول کے اندر راضی و مطمئن ہو تو گو اس کے اندر ہونے والی برائیوں اور تعدیوں میں وہ براہِ راست ملوث نہ ہو لیکن ان کے وبال سے وہ محفوظ نہیں رہ سکتا۔ ان کے وبال سے محفوظ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس سے بیزار و نفور رہے اور جب بھی امکان دیکھے اس سے بھاگ کھڑا ہو۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيٓ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ (۱۲)

برے ماحول کے اندر اپنا اعلیٰ تربیت کی عظیم مثال

یہ آخر میں حضرت مریم علیہا السلام کی مثال پیش کی ہے جو اگرچہ پیدا تو ہوئیں ایک برے ماحول میں لیکن انھوں نے اپنی ذاتی توجہ، محنت، ریاضت، انابت اور عبادت سے وہ مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل کیا جو انہی کا خاص حصہ ہے۔

وہ جس دور میں پیدا ہوئیں بنی اسرائیل رومیوں کے غلام تھے اور اخلاقی و مذہبی اعتبار سے ان کا زوال جس حد تک پہنچ چکا تھا اس کا اندازہ ان ملامتوں سے ہو سکتا ہے جو ان کو حضرت یحییٰؑ اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کی ہیں۔ اس کے علاوہ بنی اسرائیل کے کردار کا اندازہ ان کے اس رویہ سے بھی ہوتا ہے جو انھوں نے حضرت یحییٰؑ و حضرت عیسیٰؑ اور وقت کے دوسرے صالحین و ابرار کے ساتھ اختیار کیا اور جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پر ہمیشہ کے لیے لعنت کر دی۔ اسی تاریک ترین دور میں حضرت مریمؑ پیدا ہوتی ہیں جن کو ماضی کا کوئی قابلِ ذکر سہارا حاصل نہ ہوا لیکن بچپن ہی سے ان کا حال یہ تھا کہ جس زمانے میں وہ بیت المقدس کے اندر معتکف تھیں حضرت زکریاؑ (جو ان کے خالو تھے) کبھی کبھی ان کے پاس جاتے تو ان کے روحانی کمالات کو محسوس کر کے عش عش کر اٹھتے۔ یہاں تک کہ ان کے انہی کمالات سے متاثر ہو کر انھوں نے اپنے لیے بھی ایک ایسے ہی باکمال فرزند کی دعا کی اور ان کی اس دعا کی قبولیت ان کے لیے حضرت یحییٰؑ کی ولادت کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

یہ حضرت مریمؑ اس حقیقت کی زندہ جاوید مثال ہیں کہ انسان کے اندر اگر سچی انابت ہو تو وہ بدتر سے بدتر ماحول کے اندر بھی اپنے کو ملائکہ کے لیے قابلِ رشک بنا سکتا ہے چنانچہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اس قابل پایا کہ ان کو اپنی ایک عظیم امانت کا حامل بنایا اور ان کے ناموس کو بدگویوں کی زبان درازیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنی وہ شان ظاہر فرمائی جو اس آسمان کے نیچے کسی کے لیے بھی نہیں ظاہر فرمائی۔

اَلَّتِيٓ أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا۔ یہ ان کے اس اصل کمال کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کی بدولت وہ اللہ تعالیٰ کی عظیم امانت کی حامل ہونے کی اہل ٹھہریں۔ لفظ فرج عربی میں محدود معنی میں نہیں آتا۔ اس کے اصل معنی موضع مخافۃ (اندیشہ کی جگہ) کے ہیں۔ جن راستوں سے بھی انسان کے اندر کوئی برائی راہ پا سکتی ہے وہ سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ قرآن میں یہ لفظ عورتوں

اور مردوں دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ 'اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا' کا مفہوم یہ ہے کہ انھوں نے اپنے وجود کے ان تمام حصوں پر پورا پہرہ قائم رکھا جہاں سے کوئی بدی راہ پا سکتی تھی، اس کا انعام اللہ نے ان کو یہ دیا کہ ان کے اندر اپنی روح پھونکی اور حضرت مسیح علیہ السلام کی شکل میں ان کے بطن سے اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانی ظاہر ہوئی۔

'وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ'۔ یہ ان کی مذکورہ خاص فضیلت کے بعد ان کے عام ایمانی فضائل کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو ان کے رب کی جانب سے جو حکم بھی ملا انھوں نے بے چون و چرا تصدیق و تعمیل کی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے صحیفوں کی ہر تعلیم پر بھی وہ قائم و دائم رہیں۔ وہ ہر لمحہ اپنے رب کی طرف دھیان رکھنے والی تھیں اس وجہ سے سخت سے سخت آزمائشوں کے اندر بھی انھیں اپنے رب کے احکام کی تعمیل کی توفیق ملی اور ان کے اوسان بجا رہے۔

ایک نکتہ خاص توجہ کے لائق

یہاں یہ امر خاص توجہ کے لائق ہے کہ برائی کی مثال کے لیے بھی عورتوں ہی کا انتخاب کیا ہے اور بھلائی کی مثال کے لیے بھی انھی کے نام لیے ہیں۔ اس سے مقصود اس عام غلط فہمی کو رفع کرنا ہے کہ تمام برائی کا سرچشمہ عورت ہی ہے۔ اپنی خلقت کے اعتبار سے عورت بھی خیر و شر دونوں صلاحیتوں کی حامل ہے۔ اگر وہ اپنے اختیار و ارادہ کو صحیح طور پر استعمال نہ کرے تو بہتر سے بہتر رفیق کی بدترین ساتھی بن سکتی ہے اور اگر وہ ایمان و قنوت کی حلاوت سے آشنا ہو جائے تو بدتر سے بدتر ماحول کے اندر بھی وہ حورِ جنت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فالحمد للہ علی فضلہ واحسانہ۔

رحمان آباد

٦ - جون ۱۹۷۸ء

۲۸ - جمادی الثانی ۱۳۹۸ھ